اختر راہی

مولانا ابوالجلال ندوی
مطالعہ تقابلِ ادیان سے دلچسپی رکھنے والے ایک عالم

ہر دور میں کچھ ایسے اہلِ قلم ہوتے ہیں جن کی "درویشی" اور "شہرت بیزاری" کے باعث اُن کی صلاحیتوں اور کارہائے علمی کا تعارف وسیع تر حلقوں میں نہیں ہوسکتا۔ ماضی قریب کے ایسے اہل علم میں سے ایک مولانا ابوالجلال ندوی تھے۔ وہ ۱۶ شوال ۱۳۱۱ھ/ ۲۲ اپریل ۱۸۹۴ء کو ضلع اعظم گڑھ (اترپردیش - انڈیا) کے مردم خیز گاؤں "چریّاکوٹ" میں پیدا ہوئے۔ ہجری سالِ ولادت کی مناسبت سے اُن کا تاریخی نام "ابوالجلال عبدالمغنی" تجویز ہوا۔ چریّاکوٹ ایک قدیم بستی ہے۔ ابوالفضل نے "آئینِ اکبری" میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تغلق عہد سے یہاں عباسی شیوخ کی ایک شاخ آباد چلی آرہی ہے جس کے سرکردہ افراد قضا کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آج چریّاکوٹ کی جو شہرت ہے وہ اسی خاندان کے نامور افراد کی بدولت ہے تو غلط نہ ہوگا۔[1]

چریّاکوٹ، مولانا اقبال سہیل کے الفاظ میں[2]

> ضلع اعظم گڑھ کے مشرقی حصے میں ایک چھوٹا سا قریہ ہے، مگر سچ پوچھیے تو سرکار جونپور شمالی سے اس کو وہی نسبت حاصل ہے جو دماغ کو جسم انسانی کے دوسرے اعضاء سے، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر سرکار جونپور کو علم و دانش کا نظر فریب چمنستان قرار دیا جائے تو اس کا سب سے نزہت آفریں اور سرمایۂ نازچمن یہی خطہ قرار پائے گا۔ ہندوستان کا کون سا گوشہ ہے جو فضل و کمال کے اس سرچشمے سے سیراب نہیں ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی، حضرت مولانا علی عباس، فخر الادباء والہند سین حضرت مولانا عنایت رسول اور استاذ المتاخرین مولانا فاروق جیسے آئمہ فن جس خاک سے اٹھے ہوں، اس کا مجد و شرف کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

مولانا ابوالجلال کا ننھیالی تعلق اس عباسی خانوادے سے تھا، گو والد کی جانب سے وہ صدیقی شیخ تھے اور ان کا ددھیال اعظم گڑھ کا ایک دوسرا گاؤں محی الدین پور تھا۔

مولانا ابوالجلال نے ابتدائی درسیات کی تحصیل اپنے والد ماجد مولانا محمد ابراہیم صدیقی سے کی جو محی الدین پور کے نمایاں عالمِ دین تھے۔ بعد ازاں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۴ء

میں سند فضیلت حاصل کی۔ دورانِ طالب علمی میں ندوۃ العلماء کے نہایت ذی استعداد طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔

دارالمصنّفین سے وابستگی

دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے قیام پر مولانا سیّد سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳) نے انہیں بطورِ رفیق اپنے ہاں بلالیا اور وہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک دارالمصنّفین کی علمی سرگرمیوں کے ساتھ بالخصوص ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) کی ادارت سے منسلک رہے۔ اس دور میں "معارف" میں بطور مدیر صرف مولانا سیّد سلیمان ندوی کا نام شائع ہوتا تھا۔ پرچے میں مقالات کے علاوہ شذرات، اخبارِ علمیہ، تلخیص و تبصرہ، تقریظ و انتقاد اور مطبوعاتِ جدیدہ کے مستقل عنوانات کے تحت جو کچھ چھپتا تھا، اس پر بالعموم کسی کا نام درج نہ ہوتا تھا۔ "اخبارِ علمیہ" رسائل و جرائد سے اخذ و اقتباس پر مبنی ہوتی تھیں۔ تلخیص و تبصرہ میں کسی معاصر پرچے میں شائع شدہ ایک وقیع مقالے کا خلاصہ دیا جاتا تھا۔ "تقریظ و انتقاد" کے تحت نئی مطبوعات پر تفصیلی تبصرے شائع ہوتے تھے اور "مطبوعات جدیدہ" میں کتابوں کے محض تعارف پر اکتفاء کیا جاتا تھا۔ مولانا ابو الجلال ادارتی کاموں میں سیّد صاحب کا ہاتھ بٹانے کے ساتھ بالخصوص "مطبوعات جدیدہ" اور "تلخیص و تبصرہ" کے عنوانات پر لکھتے تھے۔ "معارف" کے اس ابتدائی دور میں کچھ تحریریں مولانا ابوالجلال کے نام کے ساتھ بھی شائع ہوئی ہیں۔ پالیسی میں اس تبدیلی کے بارے میں انہوں نے ایک انٹرویو میں بتایا تھا کہ [۳]

> ایک مرتبہ کتاب "البرامکہ" جو مولانا عبدالرزاق [کانپوری] کی لکھی ہوئی تھی، تبصرے کے لیے آئی۔ میں نے تبصرہ کرتے ہوئے اس کے چند اہم نکات کو نقل کیا اور ایک نکتے کے بارے میں کہا کہ یہ اس کی اصل جان ہے۔ ظاہر ہے کہ مؤلف کو جب اپنی کوئی چیز پسند ہوتی ہے اور کوئی دوسرا بھی اسے پسند کرتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ انہوں نے سیّد سلیمان ندوی صاحب کو مبارک باد دی اور ایسے دی کہ انہوں نے زبان سے پہچان لیا کہ یہ عبارت سیّد سلیمان ندوی صاحب کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس کسی نے یہ مضمون لکھا ہے، ان کو میری طرف سے شکریہ ادا کر دیجیے۔ اب سیّد صاحب نے کہا کہ بھئی! تمہارے مضمون کے ساتھ نام دینا چاہیے۔

دارالمصنّفین سے وابستگی کے ان برسوں میں مولانا ابوالجلال نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا یا تعارف و تبصرہ کے لیے جن کتابوں کو بالخصوص پسند کیا، ان سے ان کی متنوع دلچسپیوں کا اظہار ہوتا ہے۔ [۴]

ایک طرف انھوں نے عربی زبان کے فلسفۂ لغت پر لکھا تو دوسری طرف تاریخ اسلام پر اظہار خیال کیا۔ دارشکوہ کی تالیف "سرِ اکبر" کے حوالے سے ہندو فلسفہ پر گفتگو کی اور "مستدرک حاکم کے مطبوعہ نسخے" پر قلم اٹھا کر فنِ حدیث کے اپنے ذوق کی تسکین کی۔ سیاسی سطح پر ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء تک کا دور بڑا ہنگامہ خیز تھا، جنگِ عظیم اوّل کے دوران میں برصغیر کی دونوں بڑی سیاسی جماعتیں انڈین نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ ایک دوسرے کے قریب آ گئی تھیں، بعد ازاں جنگ میں ترکوں کی ناکامی پر خلافت اور عدمِ تعاون کی تحریکوں سے ہندو۔ مسلم اتحاد کی فضا اس قدر مضبوط ہو گئی کہ دونوں بڑی جماعتیں پس منظر میں چلی گئیں اور ملک بھر میں خلافت کمیٹی اور اس کے رہنماؤں کا ڈنکا بجنے لگا۔ دارالمصنّفین کے سربراہ مولانا سیّد سلیمان ندوی وفد خلافت میں شامل ہو کر یورپ گئے تھے اور دارالمصنّفین کے دوسرے رفقاء بھی ذہناً خلافت کمیٹی کی پیدا کردہ فضا میں رہتے تھے۔ مولانا ابوالجلال خلافت کمیٹی کے کارکن تھے۔ "خلافت کمیٹی" کی تحریک جب کامیاب نہ ہو سکی اور ملک کی سیاسی فضا میں تبدیلی آئی تو ہندو۔ مسلم اتحاد شدھی اور تبلیغ کی تحریکوں کے باعث پارہ پارہ ہو گیا، تاہم مولانا ابوالجلال اس وقت بھی ہندو۔ مسلم اتحاد کے لیے کوشاں رہے۔[5]

قیامِ مدراس

۱۹۲۷ء میں مولانا ابوالجلال دارالمصنّفین سے الگ ہو کر مولانا سیّد سلیمان ندوی کے ایماء پر جامعہ دارالسلام عمر آباد (مدراس) چلے گئے۔ دارالمصنّفین میں ان کی جگہ مولوی سیّد محمد ندوی نے لی۔[6] جامعہ دارالسلام عمر آباد کے ساتھ شاید مولانا ابوالجلال جمالیہ عربک کالج میں بھی تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں[7]، مگر ان دونوں اداروں سے ان کا تعلق ملازمت زیادہ عرصہ جاری نہ رہا۔

مدراس میں وہ متعدد اخبارات اور جرائد سے منسلک رہے۔ ماہنامہ بشریٰ (مدراس) ان کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، اسی طرح محرم ۱۳۵۵ھ/ مارچ / اپریل ۱۹۳۶ء میں جاری ہونے والے ماہنامہ "حیات" کے نگران تھے۔[8] مدراس کے دوران قیام میں وہ لکھنے پڑھنے سے منسلک رہے مگر کسی بڑے علمی کام میں ہاتھ نہ ڈال سکے۔ یہی صورت ان کی سیاسی سرگرمیوں کی تھی کیوں کہ اس وقت انہیں "عملاً روٹی کی فکر"[9] لگی ہوئی تھی۔

دارالمصنّفین میں واپسی اور "اعلام القرآن" کی تالیف

۱۹۴۶ء میں مولانا ابوالجلال ایک بار پھر دارالمصنّفین آ گئے۔ سیّد سلیمان ندوی جون ۱۹۴۶ء میں اعظم گڑھ سے بھوپال چلے گئے تھے۔ شاہ معین الدین احمد ندوی اور مولانا ریاست علی ندوی "معارف"

کی ادارت اور دار المصنفین کے علمی کاموں کے ذمہ دار تھے۔ مئی ۱۹۴۷ء کے "شذرات" میں مولانا ریاست علی ندوی نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھا۔[10]

> خوشی کی بات ہے کہ ہمارے پرانے رفیق کار مولانا ابوالجلال صاحب ندوی مدراس میں چند سال [؟] مختلف علمی و تعلیمی زندگی گزارنے کے بعد اب پھر ہمارے درمیان آ گئے ہیں۔ اور اپنے علمی مشاغل میں مصروف ہیں، خصوصاً نوجوان رفقائے دار المصنفین کی علمی رہنمائی کرنے میں ان کی مفید خدمات انجام پائیں گے۔

مولانا ابوالجلال کی مہارت اور دلچسپیوں کو دیکھتے ہوئے انہیں "اعلام القرآن" پر کام تفویض کیا گیا۔ ۲۸ مئی ۱۹۴۷ء کے ایک خط میں سید سلیمان ندوی نے جناب شاہ معین الدین ندوی کو لکھا تھا۔[11]

> مولوی ابوالجلال صاحب اعلام القران کے نام سے ایک کتاب شروع کریں۔ اللہ تعالیٰ اور آدم سے لے کر "یا" تک سب اعلامِ قرآن جمع کریں اور ان کی لغوی و تاریخی تحقیق کریں۔ سارے انبیاء و ملائکہ، اصنام، کفار، صحابہ، مقامات، کتب، غرض سب اعلام آ جائیں۔ تفصیل پھر لکھوں گا۔

یقیناً مولانا سید سلیمان ندوی نے اعلام القرآن پروجیکٹ کی پوری تفصیل لکھی ہو گی جو ہمارے سامنے نہیں، تاہم جولائی ۱۹۴۸ء کے شمارہ "معارف" سے اس سلسلے کا آغاز ہو گیا اور پہلا مقالہ "ذوالکفل" پر شائع ہوا۔ اس سلسلے کا تیسرا مقالہ "الروم" جنوری ۱۹۴۹ء میں چھپا۔ شاہ معین الدین احمد ندوی نے ادارتی نوٹ میں مولانا ابوالجلال اور ان کی کاوش کے بارے میں اطلاع دی کہ[12]

> ہمارے پرانے رفیق مولانا ابوالجلال صاحب ندوی کی نگاہ قدیم سامی اقوام اور ان کے مذاہب پر بہت گہری اور وسیع ہے اور وہ کلامِ مجید کی مذکورہ اقوام، اشخاص اور مقامات وغیرہ اسماء اعلامِ قرآنی کی تاریخ و تحقیق پر اعلام القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔ یہ موضوع اصحابِ نظر علماء کے ذوق کا ہے۔ اس لیے وقتاً فوقتاً اس کے مختلف ٹکڑے ہدیۂ ناظرین کیے جائیں گے ---

"اعلام القرآن" کا یہ سلسلہ بہت پسند کیا گیا،[13] مگر دوسری بار بھی مولانا ابوالجلال کا قیامِ دار المصنفین چار سال سے نہ بڑھ سکا اور وہ ۱۹۵۰ء میں ایک بار پھر مدراس چلے گئے۔ جولائی ۱۹۵۰ء کے شمارہ "معارف" میں اطلاع دی گئی کہ[14]

> مولانا ابوالجلال صاحب ندوی اعلام القرآن کے نام سے جو کتاب لکھ رہے تھے، افسوس ہے کہ وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے، لیکن متفرق اجزاء لکھ گئے ہیں۔[15] ان میں سے بعض معارف میں شائع بھی ہو چکے ہیں جن کو اہلِ علم نے بہت پسند کیا اور ان کو جاری رکھنے کی فرمائش کی، اس لیے وقتاً فوقتاً اس کے مختلف ٹکڑے شائع کرتے رہیں گے۔

"اعلام القرآن" کے حوالے سے معارف میں شائع شدہ مقالات کی مکمل فہرست شمارہ اور صفحات کی تفصیل کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

"شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں" "معارف" نومبر ۱۹۴۶ء، ص ۳۸۵-۳۸۷

ذوالکفل	جولائی ۱۹۴۸ء، ص ۳۱-۴۶
بکہ مبارکہ	اگست ۱۹۴۸ء، ص ۱۳۱-۱۴۱
الروم	جنوری ۱۹۴۹ء، ص ۵-۲۶
سامری	جولائی ۱۹۴۹ء، ص ۴۲-۵۷
حضرت ایوب علیہ السلام	اگست ۱۹۴۹ء، ص ۸۷-۱۰۳، ستمبر ۱۹۴۹ء، ص ۱۸۷-۱۹۸
سنگ شبام (یہود اور حمیر کی تاریخ کا ایک مشترکہ ورق)	اکتوبر ۱۹۴۹ء، ص ۲۷۹-۲۹۲، نومبر ۱۹۴۹ء، ص ۳۵۶-۳۶۶
تاریخ یمن کی ایک سطر	دسمبر ۱۹۴۹ء، ص ۴۶۴-۴۷۴، مارچ ۱۹۵۰ء، ص ۲۱۶-۲۲۲
کتبات حصن عزاب	مئی ۱۹۵۰ء، ص ۳۷۲-۳۸۷
تاریخ بابل	جولائی ۱۹۵۰ء، ص ۳۶-۴۸
ہاروت وماروت	اگست ۱۹۵۰ء، ص ۱۱۱-۱۲۳
تاریخ یمن کا ایک ورق	اکتوبر ۱۹۵۰ء، ص ۲۸۹-۲۹۸، نومبر ۱۹۵۰ء، ص ۳۷۶-۳۸۸
داستانِ خلیل (بائبل سے قدیم ایک صحیفہ کی روایت)	مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۱۶۵-۱۸۲
اصحاب الاخدود	جولائی ۱۹۵۱ء، ص ۵-۱۷
اصحاب الفیل کا واقعہ اور اس کی تاریخ	اکتوبر ۱۹۵۱ء، ص ۲۴۵-۲۶۳، نومبر ۱۹۵۱ء، ص ۳۷۶-۳۸۴

مولانا ابوالجلال ندوی نے مندرجہ بالا مقالات میں قرآن مجید اور "کتابِ مقدس" کے تقابلی مطالعے کے ساتھ جدید ترین تحقیقات اور عبرانی زبان کے حوالے سے قابلِ توجہ نتائج اخذ کیے ہیں۔

مدراس اور پھر کراچی

مولانا ابوالجلال دوبارہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۷ء تک مدراس میں مقیم رہے۔ اثریات کے حوالے سے موہن جودڑو کی نودریافت مہریں ان کی دلچسپی کا مرکز بن گئیں۔ مدراس کے کتب خانوں میں انہوں نے ابتدائی کام کیا۔ بعد ازاں ۱۹۵۷ء میں پاکستان آنے پر اس دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا۔ کراچی کے قیام میں سہ ماہی "تاریخ وسیاسیات" (کراچی) اور ماہِ نو (کراچی) میں اس سلسلے کی تحریریں شائع ہوئیں۔[۱۶]

مولانا ابو الجلال ندوی کا دعویٰ یہ تھا کہ موہن جودڑو کے رسم الخط کو مغربی ماہرین نے درست طور پر نہیں سمجھا۔ اس رسم الخط کا رشتہ قدیم عبرانی اور عربی زبانوں سے ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وادیٔ سندھ کی اس تہذیب کا دوسرے انبیاء کی اُمتوں اور مسلم تہذیب سے گہرا تعلق ہے۔ اگرچہ عراق اور وادیٔ سندھ سے دستیاب ہونے والی مہروں پر تحریرا رسم الخط جدا جدا ہے مگر تصویروں میں مشابہت ہے۔ ابتداءً مولانا ابوالجلال کے اس نقطۂ نظر پر توجہ دی گئی،[17] مگر جب مغربی ماہرین اثریات کے نتائج تحقیق سامنے آنے لگے تو مولانا کی ترجیحات پس منظر میں چلی گئیں۔ خود مولانا ابوالجلال کی گوشہ نشینی، وسائل کی عدمِ دستیابی اور شہرت پسندی سے ان کی گریز نے انھیں مزید کام کرنے کا موقع نہ دیا۔

مولانا ابوالجلال ۱۹۵۷ء سے لے کر تادم آخر (۸ محرم ۱۴۰۵ھ/۱۴ اکتوبر ۱۹۸۴ء) کراچی میں مقیم رہے۔ کسی ادارے سے منسلک نہ ہوئے، تاہم مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی متعدّد تحریریں ان کے لواحقین کے پاس محفوظ ہیں۔ اس بات میں اس لیے بھی وزن ہے کہ کراچی سے شائع ہونے والے بعض رسائل اب بھی ان کی غیر مطبوعہ تحریریں شائع کرتے ہیں۔[18] قیامِ پاکستان کے تقریباً ۲۷ سالہ عرصے میں ان کی جو تحریریں سامنے آئیں، ان میں سے "سورہ نمل۔ تفسیر و تشریح"[19] اور ماہنامہ "ماہِ نو" (کراچی) کے "سیرت نمبر" بابت جولائی۔ اگست ۱۹۶۳ء میں شامل مضمون "فخرِ موجودات"[20] قابلِ ذکر ہیں۔

زندگی کے آخری برسوں میں ان کی بینائی کم ہو گئی تھی مگر حافظہ غضب کا تھا۔ لکھنے پڑھنے سے ایک حد تک معذور ہو چکے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کوئی باصلاحیت شخص ان کے افکار قلمبند کرلیتا اور وہ کچھ جو ان کے سینے میں محفوظ تھا، سفینے میں منتقل ہو جاتا۔ بعض افراد نے یہ کوشش کی بھی مگر بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور شاید کراچی کے ۲۷ سالہ قیام میں کوئی ایک شخص بھی ان سے وہ مہارت حاصل نہ کرسکا جو ان کا امتیاز تھی۔

مولانا ابوالجلال نہایت ستھرا شعری ذوق رکھتے تھے اور گاہے گاہے خود بھی شعر کہتے تھے۔[21]

حواشی

۱۔ چریّا کوٹ کے عباسی خانوادے کے اہلِ علم کے لیے دیکھیے: رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور (طبع اوّل: ۱۸۹۴ء)، محمد امین چریّا کوٹی، دیباچۂ بشریٰ (تالیف مولانا عنایت رسول چریّا کوٹی)، علی گڑھ شروانی پرنٹنگ پریس (۱۹۳۸ء)، سیّد عبدالحی رائے بریلوی، نزہت الخواطر و بہجتہ المسامع والنواظر، جلد پنجم تا جلد ہفتم، حیدر آباد دکن: دائرہ المعارف (تا ۱۹۵۹ء)، جلد ہشتم، کراچی: نور محمد اصح

المطابع (۱۹۷۶ء)، عبدالحی عباسی، تعارف، کراچی: مؤلف (۱۹۶۵ء)، ڈاکٹر معتصم عباسی آزاد، علمائے چڑیا کوٹ، سہ ماہی "اسلام اور عصر جدید" (دہلی)، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۳۶ - ۴۹، جولائی ۱۹۷۳، ص ۷۹ - ۱۰۰

۲۔ اقبال سہیل، دیباچہ شمیم عشرت (تالیف اسد عباسی) بحوالہ ڈاکٹر معتصم عباسی آزاد، حاشیہ ۱، "اسلام اور عصر جدید" (دہلی)، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۴۲

۳۔ رضی الدین، مولانا ابوالجلال ندوی سے ایک انٹرویو، پندرہ روز "تعمیر حیات" (لکھنؤ) بابت ۲۵ جون و ۱۰ جولائی ۱۹۷۹ء، ص ۱۴

۴۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۷ء کے درمیان "معارف" میں مولانا ابوالجلال کے نام سے جو تحریریں شائع ہوئیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

*عربی زبان کا فلسفہ لغت	ستمبر ۱۹۲۳ء
*جدید دنیائے اسلام	جون ۱۹۲۴ء
*اخبار الاندلس (ترجمہ: منشی خلیل الرحمٰن)	جولائی ۱۹۲۴ء، اگست ۱۹۲۴ء
*سر اکبر اپنشد، دارا شکوہ کا ترجمہ	دسمبر ۱۹۲۴ء، جنوری ۱۹۲۵ء
*تاریخ اسلام	جنوری ۱۹۲۶ء
*دروزیوں کا مذہب	اپریل ۱۹۲۶ء
*نظریہ اضافیت (مولفہ پروفیسر منہاج الدین)	مئی ۱۹۲۶ء
*مستدرک حاکم کا مطبوعہ نسخہ	جولائی ۱۹۲۶ء، اگست ۱۹۲۶ء
*مراۃ الشعر (مولفہ عبدالرحمٰن)	اکتوبر ۱۹۲۶ء
*اسلامی شمسی و قمری سال	نومبر ۱۹۲۷ء

۵۔ روز نامہ "ہمدرد" (دہلی) میں ان کے قلم سے ۱۵ ستمبر ۱۹۲۶ء کو "مسجد اور باجا"، ۲۵ فروری ۱۹۲۷ء، کو "آزادی" اور ۲۵ اپریل ۱۹۲۷ء، کو "ہندو- مسلم اتحاد" کے موضوع پر مضامین شائع ہوئے جو ان کی سیاسی سوچ کے مظہر ہیں۔

۶۔ اسی دور کے ایک خط میں مولانا سیّد سلیمان ندوی نے مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام لکھا۔ "آپ کو معلوم ہو گا کہ مولوی ابوالجلال صاحب چند ماہ سے یہاں سے الگ ہو کر ہمارے ہی ذریعہ سے مدراس کے عربی مدرسہ میں مدرّس ہو کر چلے گئے۔ میں نے ان کی جگہ مولوی سیّد محمد صاحب ندوی کا تقرر مناسب سمجھا ہے۔ ۳۰ روپے ماہوار۔" [عبدالماجد دریا بادی (مرتب)، مکتوباتِ سلیمانی، لکھنؤ: صدق بک ایجنسی (۱۹۶۳ء)، حصہ اوّل ص ۲۴۷]،

۷۔ جامعہ دارالسلام عمر آباد اور جمالیہ عریبک کالج مدراس کے تعارف کے لیے دیکھیے: عبدالسبحان اعظمی،

جامعہ دارالسلام عمر آباد، ماہنامہ البلاغ (بمبئی)، تعلیمی نمبر، دسمبر ۱۹۵۴ء، جنوری - فروری ۱۹۵۵ء، ص ۲۱۰ - ۲۱۸، نیز محمد یوسف کوکن، Arabic and Persian in Carnatic، مدراس (۱۹۷۴ء)، ص ۵۵۶ - ۵۵۹

۸- ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ)، اگست ۱۹۳۶ء، ص ۱۵۴

۹- رضی الدین، حاشیہ ۳، ص ۱۴

۱۰- ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ)، مئی ۱۹۴۷ء، ص ۳۲۴

۱۱- شاہ معین الدین احمد ندوی، حیات سلیمان، اعظم گڑھ: مطبع معارف (۱۹۷۳ء)، ص ۵۲۷

۱۲- ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ)، جنوری ۱۹۴۹ء، ص ۸

۱۳- ایضاً، اگست ۱۹۴۹ء، ص ۸۵

۱۴- ایضاً، جولائی ۱۹۵۰ء، ص ۳۶

۱۵- اس عرصے میں مولانا ابوالجلال کی کوئی کتاب گم ہو گئی تھی- کتاب کیا تھی؟ اس سلسلے میں کوئی تفصیل دستیاب نہیں، البتہ مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ۵ مارچ ۱۹۵۰ء کے ایک خط میں شاہ معین الدین احمد ندوی کو لکھا تھا- "ابوالجلال صاحب کی کتاب کی گم شدگی کا جو واقعہ پیش آیا، وہ نیا نہیں، وہ تو ان کی قسمت کا نوشتہ ہے کہ ان کا نوشتہ باقی نہ ہے- یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب" [الرعد: ۳۹] ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۵۷ء، ص ۱۴۸

۱۶- مقالات کی تفصیل یہ ہے-

موہن جودڑو کی زبانیں، سہ ماہی "تاریخ وسیاسیات" (کراچی)، نومبر ۱۹۵۳ء، ص ۱-۱۳

سندھی مہریں	ماہنامہ "ماہِ نو"	(کراچی) اگست ۱۹۵۶ء تا دسمبر ۱۹۵۶ء (پانچ اقساط)	
پیکران بے سخن		مارچ ۱۹۵۸ء	
نقوش صحرا		اکتوبر ۱۹۵۸ء	
سند نام کی بستیاں		مارچ ۱۹۵۹ء	
بلوچی ظروف پر نقوش		جون ۱۹۶۰ء	
سندھی ظروف پر نقوش		مارچ ۱۹۶۱ء	
نقش سلیمانی (قدیم سندھی رسم خط کی روشنی میں)		دسمبر ۱۹۶۱ء	

۱۷- محکمہ آثار قدیمہ پاکستان کی جانب سے محمد ادریس صدیقی کی شائع کردہ ایک کتاب "وادی سندھ کی تہذیب" [کراچی: ۱۹۵۹ء] میں مولانا ابوالجلال ندوی کے نقطۂ نظر کا ذکر کیا گیا ہے- دیکھیے: کتاب مذکورہ، ص ۲۲۲

۱۸۔ مثال کے طور پر ماہنامہ البیان (کراچی) بابت جنوری - فروری ۱۹۹۱ء میں ان کا ایک مقالہ "اسلامی حکومت اور اس کے خصائص" کے زیرِ عنوان شائع ہوا ہے۔

۱۹۔ سورہ نمل کی تفسیر و تشریح میں مولانا ابوالجلال جمہور مفسرین سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک "وادالنمل" "چیونٹیوں کی وادی" نہیں تھی بلکہ اس وادی میں آدمی بستے تھے۔ ایک چیونٹی نے اپنی ہم جنسوں کو نہیں کہا تھا کہ وہ بلوں میں گھس جائیں، بلکہ وادی میں رہنے والی ایک عورت نے اپنے اہلِ قبیلہ کو آواز دی تھی کہ وہ لشکر سلیمانی سے محفوظ ہوں۔

مولانا ابوالجلال کا یہ مقالہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے نقطۂ نظر پر براہ راست تنقید تھی، اس لیے ماہنامہ "طلوع اسلام" (لاہور) نے اپنی اشاعت بابت دسمبر ۱۹۵۹ء میں نہایت پُرزور ادارتی شذرے کے ساتھ اس کے کچھ حصے شائع کیے، بعد ازاں یہ مقالہ مکمل صورت میں ماہنامہ فاران (کراچی) میں اپریل سے اگست ۱۹۶۱ء تک پانچ شماروں میں بالاقساط شائع ہوا۔

۲۰۔ یہ مقالہ سیرت نبوی پر "ماہِ نو" کی خصوصی اشاعتوں کے انتخاب "سیرت پاک ﷺ" [کراچی: ادارہ مطبوعات پاکستان (۱۹۶۲ء)] میں بھی شامل ہے۔ دیکھیے: ص ۹-۳۱

۲۱ماہنامہ "مہر نیمروز" (کراچی)، اگست ۱۹۵۹ء میں ان کی ایک نظم "خاک زادہ" شائع ہوئی ہے۔